اسلام اور ملکیت زمین

(۲)

محمد طاسین

اس کے بعد اب میں ان جزوی نصوص کو پیش کرنا چاہتا ہوں جو خاص طور پر زمین کی شخصی ملکیت سے متعلق قرآن و حدیث میں ملتی ھیں، پہلے قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ فرمائیے:

۱ - واضرب لھم مثلاً رجلین جعلنا لاحدھما جنتین من اعناب و حففنا ھما بنخل و جعلنا بینھما زرعا (الکھف)

اور بیان کیجئے ان کے آگے حال دو شخصوں کا، بنائے ہم نے ان میں سے ایک کے لئے دو باغ انگوروں کے، اور گرد باڑھ لگائی کھجور کے درختوں کی اور ان کے درمیان زرعی زمین اور کھیتی رکھی۔

۲ - و اورثکم ارضھم و دیارھم و اموالھم و ارضاً لم تطؤھا ۔ (الاحزاب)

اور اس نے وارث بنایا تم کو ان کی زرعی اراضی کا اور انکے رھائشی گھروں کا اور ان کے دیگر مالوں کا اور ایک ایسی زمین کا جس پر تم نے قدم نہیں رکھا۔

۳ - ان اغدوا علی حرثکم ان کنتم صارمین ۔

صبح سویرے چلو اپنے کھیت پر اگر تم اس کو کاٹنے والے ہو۔

ان مذکورہ قرآنی آیات میں ملکیت زمین کا ذکر ہے اور ذکر کچھ اس انداز سے ہے کہ گویا اس کا جواز کوئی اختلافی مسئلہ نہیں بلکہ ایک مسلمہ اور متفق علیہ مسئلہ ہے، پہلی آیت میں صاف بیان ہے کہ ایک شخص کے انگوروں

اور کھجوروں کے دو باغ تھے اور ان کے درمیان زراعت کے لئے زمین تھی، لاحدھما میں لام تخصیص اور تملیک کے لئے ہے جو اس شخص کے لئے باغوں اور کھیت کی ملکیت پر دلالت کرتا ہے، دوسری آیت میں مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اللہ نے تمہیں یہودیوں کی زمینوں یعنی باغوں اور کھیتوں، ان کے رہائشی گھروں اور دوسرے قسم کے اموال کا وارث و مالک بنایا، نیز ایک اور ایسی زمین کا جس کو کبھی تمہارے پاؤں نے چھوا تک نہیں، اس دوسری آیت میں دو لفظ ھیں جو ملکیت زمین پر دلالت کرتے ھیں ایک ''اورثکم'' وہ اس طرح کہ چونکہ لفظ وراثت اس پر دلالت کرتا ہے کہ جس شے کے ساتھ اس کا تعلق ہے یعنی شے موروث وہ پہلے ایک شخص کی ملکیت میں تھی اور بعد میں دوسرے شخص کی ملکیت میں آگئی لہذا ''اورث'' سے جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ مزروعہ اراضی، رہائشی مکانات اور دوسرے اموال یہودیوں کی ملکیت میں تھے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعد میں وہ سب مسلمانوں کی ملکیت میں آگئے، پھر جس طرح ''دیارھم'' اور ''اموالھم'' کی ترکیب اضافی اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ مکان اور اموال یہودیوں کی ملکیت میں تھے اسی طرح ''ارضھم'' کی ترکیب اضافی بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اراضی یہودیوں کی ملکیت میں تھیں۔ چنانچہ جس طرح مسلمان ان کے چھوڑے ہوئے مکانات اور اموال کے مالک قرار پائے اسی طرح ان کی چھوڑی ہوئی آراضی اور باغات کے مالک بھی قرا پائے، تیسری آیت میں لفظ ''حرثکم'' کی ترکیب اضافی بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ کھیتی باغ والوں کی ملکیت میں تھی۔

اب ان احادیث نبویہ کی طرف آئیے جن سے خصوصیت کے ساتھ زمین شخصی ملکیت ثابت ہوتی ہے ان میں سے چند ایک یہاں نقل کرتا ہوں:

۱۔ عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من احیا ارضا میتۃ	حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی

فهی له ـ

علیه و سلم نے جس نے زلدہ کیا کسی مردہ زمین کو پس وہ اس کی ہے ـ

۲ ـ عن عائشةرض، ان النبی صلی اللہ علیه وسلم قال من عمر ارضا لیست لاحد فھو احق بھا ـ

حضرت عائشہرض، سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیه وسلم نے فرمایا جس نے آباد کیا ایسی زمین کو جو کسی کی نہیں تھی پس وہ اس زمین کا زیادہ حقدار ہے۔

۳ ـ عن سمرة بن جندب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من احاط حائطا علی الارض فھی له ـ

حضرت سمرہ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم نے فرمایا جس نے احاطه کیا کسی زمین پر دیوار سے پس وہ زمین اس کی ہوگئی ـ

۴ ـ عن عروة عن ابیه قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من احیا ارضا میتة فھی له و لیس لعرق ظالم حق ـ

حضرت عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا : جس نے آباد کیا کسی غیر آباد زمین کو، پس وہ اس کے لئے ہے اور ظالم جڑ یا ظالم کی جڑ کا اس میں کوئی حق نہیں ـ

اسی مضمون کی کئی اور بھی احادیث مروی ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنی قدرتی حالت پر پڑی ہوئی بنجر و بیکار زمین کو آباد کرتا اور کارآمد بناتا ہے وہ زمین اس کی ملکیت ہو جاتی ہے یعنی اس سے استفادہ کے حق میں اس کو دوسروں پر ترجیح و تخصیص حاصل ہوجاتی ہے ـ

ان احادیث کے علاوہ کئی دوسری ایسی احادیث ہیں جن میں زمین کے متعلق مختلف ایجابی و امتناعی احکام ہیں جن کی بنیاد ہی زمین کی ملکیت پر ہے یعنی اگر زمین کی شخصی ملکیت کا انکار کردیا جائے تو پھر ان کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا، مثلاً ایک حدیث ہے :

عن سعید بن زید قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اخذ شبرا من الارض ظلماً فانہ یطوقہ یوم القیامۃ من سبع ارضین ۔

حضرت سعید بن زید سے روایت ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا : جس نے ظلم سے ایک بالشت بھر زمین کسی کی لی قیامت کے دن اس زمین کے ٹکڑے کے ساتوں طبقے اس کی گردن میں طوق ہوں گے ۔

اس حدیث میں دوسرے کی زمین کو غصب کرنے والے کے لئے شدید عذاب کی وعید اور دھمکی ہے ظاہر ہے کہ غصب اسی زمین کا ہوگا جو دوسرے کی ملکیت ہو۔ اسی طرح کچھ احادیث میں زمین کے وقف، ہبہ اور بیع و شراء کا ذکر ہے مثلاً صحیح بخاری میں ہے حضرت عمر فاروق نے اپنا خیبر کا حصہ فی سبیل اللہ وقف کردیا تھا، اسی طرح حضرت طلحہ نے اپنا محبوب ترین باغ اللہ کی راہ میں وقف کردیا تھا، عینی شرح بخاری میں ہے ایک شخص نے اپنی ماں کے انتقال کے بعد اپنا ایک باغ صدقہ کردیا تھا، صحابہ کرام کے متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جن میں زمین کے ہبہ کرنے کا ذکر ہے، کتاب الخراج لابی یوسف اور کتاب الخراج لیحیی بن آدم میں متعدد صحابہ کرام کے نام ذکر کئے گئے ہیں جنہوں نے خراجی زمینیں خریدیں، حضرت ابو رافع کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کے دئے ہوئے قطائع کو فروخت کردیا تھا، ظاہر بات ہے کہ ہبہ ، صدقہ وقف اور بیع وشراء کی جو شرعی اور عرفی حقیقت ہے وہ ملکیت کے بغیر متحقق ہی نہیں ہوسکتی ، نیز مزارعت اور کراءالارض کے

و عدم جواز سے متعلق جو بکثرت احادیث و آثار ھیں وہ بھی زمین کی شخصی ملکیت پر دلالت کرتے ھیں کیونکہ مزارعت تو نام ھی اس معاملہ کا ھے جو مالک زمین اور کاشتکار کے مابین طے پاتا ھے -

جہاں تک فقہ اسلامی کا تعلق ھے اس کے تمام اسکول اور مذاھب زمین کی شخصی اور ذاتی ملکیت کو متفقہ طور پر مانتے ھیں گویا یہ ایک ایسا مسئلہ ھے جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں، فقہاء کرام نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر بڑی تفصیل کے ساتھ لکھا ھے اور اس کے متعلق معلومات کا بڑا ذخیرہ جمع کردیا ھے، یہاں میں اس کا مختصر خلاصہ پیش کرتا ھوں، تفصیل کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع کیا جائے -

فقہاء نے اراضی کو چھ قسموں میں تقسیم کیا اور ان کے خصوصی احکام بیان کئے ھیں وہ چھ قسمیں یہ ھیں : اراضی مملوکہ، اراضی موقوفہ، اراضی متروکہ، اراضی مملکت، اراضی موات اور اراضی الحوز، ان کی تفصیل حسب ذیل ھے :

اراضی مملوکہ سے مراد وہ اراضی ھیں جو غیرآباد کو آباد کرنے کی بنا پر یا انتقال ملکیت کے مذکورہ بالا پانچ طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کی بنا پر اشخاص و افراد کی ملکیت میں آگئی ھوں، ایسی اراضی کا حکم یہ ھے کہ خود مالک کو ان میں ھر اس تصرف کا اختیار ھوتا ھے جو اس کے لئے مفید ھو اور دوسروں کے لئے مضر نہ ھو، لیکن دوسرے کسی کے لئے یہ جایز نہیں ھوتا کہ وہ مالک کی اجازت کے بغیر ان میں کوئی تصرف کرے -

اراضی موقوفہ سے مراد وہ اراضی ھیں جن کو ان کے مالکوں نے کسی مصرف خیر اور رفاہ عام کے لئے وقف کردیا ھو، ایسی اراضی کا حکم یہ ھے کہ ان کا کوئی شخص مالک نہیں ھوسکتا اور ان کے فوائد و ثمرات اس مصرف کے لئے مخصوص ھوتے ھیں جس کے لئے واقف نے انہیں وقف کیا ھو-

اراضی متروکہ وہ اراضی ہیں جو آبادی کے اندر اور اس کے متصل قرب و جوار میں ہوتی ہیں اور مصالح عام کی خاطر ان کو چھوڑ دیا جاتا ہے جیسے تفریح گاہیں اور پارک، کھیل کے میدان، چراگاہیں، قبرستان وغیرہ، جو پوری آبادی کے اجتماعی مفاد کے لئے مخصوص ہوتے ہیں، ایسے قطعات اراضی کا حکم یہ ہے کہ وہ انفرادی ملکیت نہیں بلکہ اجتماعی ملکیت ہوتی ہیں اور اس آبادی سے تعلق رکھنے والے سب افراد بلا مزاحمت ان سے مستفید و متمتع ہو سکتے ہیں، اور ان میں جو بھی تصرف اور ردوبدل کیا جا سکتا ہے سب کی مرضی و مفاد کو مدنظر رکھ کر کیا جا سکتا ہے۔

اراضی مملکت سے مراد وہ اراضی ہیں جو حکومت کی تحویل میں اور بیت المال سے متعلق ہوتی ہیں، ان میں ایک تو وہ اراضی شامل ہوتی ہیں جن کے مالک کسی ارضی و سماوی آفت سے مر کھپ گئے یا بھاگ کر کسی دوسرے ملک میں چلے گئے ہوں اور اب ان کا کوئی والی وارث موجود نہ ہو، اور دوسری وہ اراضی شامل ہیں جو مال غنیمت کے طور پر حاصل ہوئی اور فاتحین میں تقسیم کے بعد بچ گئی ہوں، ایسی اراضی کا حکم یہ ہے کہ ان میں تصرف کا تمام‌تر اختیار امیر اور سربراہ ریاست کو ہوتا ہے لیکن اس کو بھی صرف ایسے تصرف کا اختیار ہوتا ہے جو اجتماعی مفاد اور مصلحت عامہ کے لئے ضروری ہو، مثلاً اگر وہ جاگیر کے طور پر کسی کو دینا چاہے تو صرف ایسے اشخاص کو دے سکتا ہے جنہوں نے ملک و ملت کے لئے بڑا کارنامہ انجام دیا ہو یا جن سے آئندہ ملک و ملت کو فائدہ پہنچنے کی توقع ہو، محض اپنے تعلق اور فائدہ کے لئے کسی کو نہیں دے سکتا۔

اراضی موات سے مراد وہ اراضی ہیں جن سے کسی کا حق ملکیت حق آبادکاری بھی متعلق نہ ہو نیز وہ آبادی کے لئے چراہ‌گاہ وغیرہ کی حیثیت نہ رکھتی ہوں، نیز آبادی سے اتنی دور ہوں کہ وہاں کی اونچی سے اونچی

یہاں نہ سنی جاسکتی ہو، اس قسم کی غیر آباد اراضی کا حکم یہ ہے کہ جو شخص ان کو آباد کرتا اور قابل کاشت بناتا ہے وہ ان کا مالک بن جاتا ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک اس میں امیر اور سربراہ حکومت کی اجازت ضروری ہے اور بعض کے نزدیک ضروری نہیں، البتہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ محض اجازت مل جانے سے کوئی شخص ان کا مالک نہیں بنتا اسی طرح محض تحجیر و احتجار سے بھی کوئی ان کا مالک نہیں قرار پاتا، تحجیر و احتجار کا مطلب یہ کہ یہ بتلانے کے لئے کہ اس غیر آباد خطۂ زمین کو میں آباد کروں گا اس کے چاروں طرف نشانات کے طور پر پتھر وغیرہ نصب کردے، فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ محض اس قسم کی نشان بندی سے کوئی شخص اراضی موات کا مالک نہیں بن سکتا، مالک بننے کے لئے ان کا احیاء یعنی آباد کرنا ضروری ہے، البتہ تحجیر و احتجار اور امیر کی طرف سے اجازت مل جانے سے اس شخص کو تین سال کے لئے حق آبادکاری ضرور حاصل ہوجاتا ہے، چنانچہ اگر وہ تین سال تک اس متحجرہ زمین کو آباد نہیں کرتا تو اس کا یہ حق آبادکاری ختم ہوجاتا ہے اب جو دوسرا اس کو آباد کرے وہ اس کا مالک قرار پاجائے گا: علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں :

لو اقطع الامام الموات انساناً فترکه ولم یعمره لایتعرض له الی ثلاث سنین فاذا مضی ثلاث سنین فقد عاد مواتا کما کان، لقوله علیه السلام لیس لمحتجر بعد ثلاث سنین حق (ص ۱۹۴، ج ٦) -

اگر امام نے کسی انسان کو بطور جاگیر کوئی مردہ زمین دی اور اس نے اس کو چھوڑ دیا اور آباد نہ کیا تو تین سال تک اس سے کچھ تعرض نہ کیا جائے اور جب تین سال گزر جائیں تو وہ زمین پھر موات کے حکم میں لوٹ جاتی ہے جیسے پہلے تھی اور یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ احتجار کرنے والے کے لئے تین سال کے بعد حق نہیں ۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :

ولو حجر الارض الموات لا یملکھا بالاجماع لان الموات یملک بالاحیاء لانه عبارة عن وضع احجار او خط حولها یریدان یحجر غیره عن الاستیلاء علیها و شئی من ذالك لیس بالاحیاء فلا یملکھا ۔ (ص ۱۹۰، ج ۶) ۔

اور اگر اس نے ارض الموات کی تحجیر کی تو وہ اس کا مالک نہیں ہوتا بالاجماع، کیونکہ ارض موات کی ملکیت احیاء سے حاصل ہوتی ہے، اور تحجیر کا مطلب ہوتا ہے اس کے چاروں طرف پتھر رکھنا یا اس کے اردگرد لکیر کھینچنا دوسروں کو اس پر قبضہ کرنے سے روکنے کے لئے اور اس میں سے کوئی شے بھی احیاء کا مصداق نہیں لہذا وہ اس زمین کا مالک نہیں قرار پاتا،

مختلف قسم کی اراضی موات کے متعلق احیاء یعنی آباد کرنے کی مختلف صورتیں ہیں جنکی فقہ کی بڑی کتابوں میں پوری تفصیل ہے مثلاً جو زمین زیرآب ہو اس سے پانی کا ہٹانا اور خشک کرنا احیاء ہے اور خشک زمین کے لئے نہر، چشمے اور کنویں سے پانی کا انتظام کرنا اس کا احیاء ہے جس غیر آباد زمین میں جھاڑ وغیرہ ہوں اس سے ان کو نکال کر دور کرنا احیاء ہے، وغیرہ وغیرہ ۔

بعض حنفی فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر ایک شخص، دوسرے کی تحجیر شدہ زمین کو تین سال کے اندر آباد کرلیتا ہے تو وہ کراہیت کے ساتھ اس کا مالک بن جاتا ہے گویا تحجیر سے جو حق آباذکاری حاصل ہوتا ہے وہ وجوبی او

قانونی قسم کا نہیں ہوتا بلکہ اخلاقی اور انتظامی قسم کا ہوتا ہے، ایسی اراضی کا مالک بننے کے لئے اصل چیز ان کو زندہ اور آباد کرنا ہے لہذا وہ جس شخص کی محنت و مشقت سے وجود میں آئے گا وہی اس کا مالک قرار پائے گا۔ چنانچہ بعض فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو شخص اراضی موات کو کسی دوسرے سے اجرت وغیرہ پر آباد کراتا ہے وہ ان کا مالک نہیں بنتا بلکہ ان کا مالک وہ دوسرا بن جاتا ہے جو محنت و مشققت کرکے ان کو آباد کرتا ہے البتہ آباد کرانے والا اپنی دی ہوئی اجرت واپس لینے کا مستحق ہوتا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ وہ اس آباد کرنے والے سے خرید کر مالک بن سکتا ہے۔

فقہاء نے جو یہ لکھا ہے کہ محض تحجیر سے کوئی شخص مردہ زمین کا مالک نہیں قرار پاتا البتہ تین سال تک اس کو آبادکاری کے حق میں دوسروں پر ترجیح ہوتی ہے اس کی اصل ایک تو وہ حدیث نبوی ہے جو اوپر بدائع الصنائع کی عبارت میں نقل کی گئی ہےا ور دوسرا وہ مشہور فیصلہ ہے جو حضرت عمر فاروق رض نے صحابہ کرام کے بھرے مجمع میں صادر فرمایا اور کسی نے اختلاف نہیں کیا، حدیث اور سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق رض کو اپنے عہد خلافت میں جب یہ معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں نے تحجیر کے ذریعے غیر آباد زمینوں کو روک رکھا ہے نہ خود آباد کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو آباد کرنے دیتے ہیں تو آپ نے منبر پر خطبے میں فرمایا، جن کے قبضہ میں تحجیر شدہ اراضی ہیں اور تین سال گزر گئے اور انہوں نے ان کو آباد نہیں کیا وہ دوسروں کو آبادکاری کے لئے دے دیں اب ان کا کوئی حق نہیں بلکہ ان سے زبردستی لے کر دوسروں میں تقسیم کردیں۔ مثلاً حضرت بلال بن حارث المزنی کے پاس ایسی زمین تھی انہوں نے واپس نہ کرنے کے لئے یہ حجت پیش کی کہ زمین خود رسول اللہ صلعم نے مجھے جاگیر کے طور پر دی ہے میں کیسے واپس کردوں، اس پر حضرت فاروق نے فرمایا رسول اللہ صلعم نے آپ کی درخواست

وہ زمین آباد کرنے کے لئے دی تھی نہ کہ یونہی بیکار روک رکھنے کے لئے چنانچہ جو زمین آپ نے آباد کر لی ہے وہ آپ کی ملکیت ہے اور جو آباد نہیں کرسکے اور نہ کر سکتے ہو وہ بہرحال واپس کرنی پڑے گی اور ان سے لے کر مسلمانوں میں تقسیم کردی ۔ بعض روایات میں آپ کے الفاظ یہ ہیں :

فانظرما قویت علیه منها فامسکه وما لم تطق فادفعه الینا لنقسمه بین المسلمین ۔	پس دیکھو، اس میں سے جتنی زمین آباد کرسکتے ہو روک لو، اور جو آپ کی طاقت سے باھر ہے وہ ہمیں لوٹا دو تاکہ ہم اسے مسلمانوں میں تقسیم کردیں ۔

مطلب یہ کہ گویا صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ محض تحجیری قبضہ سے کوئی شخص ارض موات کا مالک نہیں قرار پاتا اور یہ کہ تحجیر سے اس کو جو حق آبادکاری حاصل ہوتا ہے اس کی زیادہ سے زیادہ مدت تین سال ہے اگر اس عرصہ میں وہ اس کو آباد نہ کر سکے تو اس کا وہ حق ختم ہوجاتا ہے ۔

اراضی کی چھٹی قسم اراضی الحوز ہے اس سے مراد وہ اراضی ہیں جن کے مالک کسی وجہ سے ان میں کاشت کرنے اور حکومت کو ان کا خراج ادا کرنے سے عاجز و قاصر ہوں لہذا انہوں نے اپنی اراضی حکومت کے حوالہ کردی ہوں کہ وہ خود ان کو آباد کرائے اور ان کی پیداوار سے اپنا خراج وصول کرے، ایسی اراضی کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے مالکوں کی ملکیت میں رہتی ہیں، وہ ان کو فروخت اور وقف و ہبہ وغیرہ کرسکتے ہیں، حکومت کو صرف ان کے استعمال کرنے اور ان کی آمدنی سے اپنا خراج وصول کرنے کا اختیار ہوتا ہے اور یہ اختیار اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ ان کے مالک ان کو آباد کرنے اور خراج ادا کرنے کے قابل نہیں بن جاتے ۔

قرآن، حدیث اور فقہ سے زمین کی شخصی و انفرادی ملکیت ثابت ہوجانے کے بعد، ہمارے سامنے وقت کا یہ اہم سوال آتا ہے کہ کیا اسلام کے

نزدیک زمین کی شخصی ملکیت کی کوئی حد بھی مقرر ہے یا نہیں، یعنی وہ بیگھوں، ایکڑوں وغیرہ کے حساب سے اس کی کوئی حد مقرر کرتا ہے یا نہیں ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پیمائش کے لحاظ سے اسلام اس کی کوئی حد مقرر نہیں کرتا اور قرآن و حدیث میں کوئی ایسی تصریح موجود نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ ایک شخص صرف اتنے بیگھے اور ایکڑ زمین کا مالک ہو سکتا ہے اس سے زائد کا نہیں ہوسکتا، البتہ بعض احادیث و آثار سے یہ ضرور مستنبط ہوتا ہے کہ ایک شخص کی ملکیت میں صرف اتنی ہی زمین ہونی چاہئے جتنی کہ وہ خود کاشت کرسکتا اور کام میں لاسکتا ہو، دس ایکڑ کر سکتا ہو تو دس ایکڑ اور بیس ایکڑ کر سکتا ہو تو بیس ایکڑ اس کی ملکیت میں ہونی چاہئے، اس کا اظہار حضرت عمر فاروق رض کے اس فیصلہ سے بھی ہوتا ہے جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا اور جو آپ نے صحابہ کرام کے مجمع میں حضرت بلال بن حارث المزنی کے معاملہ میں فرمایا، آپ کے یہ الفاظ کہ جتنی زمین تم کاشت کرنے کی قدرت رکھتے ہو اپنے پاس روک لو جو تمہاری طاقت سے باہر ہے واپس لوٹادو تاکہ ہم اس کو دوسرے ضرورت مند مسلمانوں میں تقسیم کردیں، صاف بتلارہے ہیں کہ ایک شخص کے پاس صرف اتنی ہی زمین ہونی چاہئے جتنی وہ خود کاشت کرسکتا ہو۔

اسی طرح اس فیصلہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ عہد فاروق اعظم تک اس کا رواج نہ تھا کہ ایک مسلمان اپنی تحجیر شدہ زمین خود آباد کرکے یا دوسروں سے آباد کراکر پھر دوسرے مسلمانوں کو مزارعت پر دےدے، ذمیوں سے حکومت اس قسم کا جو معاملہ طے کرتی تھی اس کی نوعیت دوسری تھی، گر مسلمانوں کے درمیان اس کا جواز ہوتا تو حضرت بلال المزنی رض اس غیر آباد راضی کو جسے وہ خود آباد نہ کرسکتے تھے دوسروں سے آباد کراکر مزارعت پر دے سکتے تھے نیز اپنی آباد کردہ اراضی کو مزارعت پر دے کر بقیہ غیر آباد

کو خود آباد کرسکتے تھے، اسی طرح اگر یہ جایز ہوتا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت بلال المزنی سے یہ بھی فرما سکتے تھے کہ تمہارے پاس جو فاضل اراضی ہے اس کو دوسروں سے آباد کراکے مزارعت پر دے دو، اس طرح یہ معاملہ بہتر طور پر سلجھ سکتا تھا حضرت بلال المزنیرض سے فاضل زمین واپس لینے کی نوبت ہی نہ آتی جس کے لوٹانے پر وہ خوش نہ تھے جیسا کہ بعض روایتوں سے واضح ہوتا ہے ۔

مزارعت اور بٹائی کے جواز و عدم جواز سے متعلق فقہاء اسلام کے مابین جو اختلاف ہے وہ بہت پرانا اور مشہور ہے ۔ ائمہ مجتہدین میں سے حضرت امام ابوحنیفہرح، امام مالکرح اور امام شافعیرح اس کو بنیادی طور پر ایک باطل معاملہ قرار دیتے ہیں لہذا ان کے نزدیک اس کی کوئی شکل مستقل طور پر جائز نہیں، امام احمد بن حنبل اس کی صرف ایک شکل کو جائز قرار دیتے ہیں جب بیج مالک زمین کی طرف سے ہو باقی شکلوں کو وہ بھی ناجائز کہتے ہیں، البتہ امام ابو حنیفہ کے دو شاگرد امام محمد شیبانی اور قاضی ابو یوسف اس کو بعض شرائط کے ساتھ جائز کہتے ہیں، جہاں تک نقلی و عقلی دلائل کا تعلق ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ ائمہ اربعہ کے دلائل جو مزارعت کے عدم جواز سے متعلق ہیں نہایت قوی اور وزنی ہیں اور ان کے مقابلہ میں صاحبین یعنی امام محمد اور قاضی ابو یوسف کے دلائل کمزور اور بے جان ہیں چنانچہ اگر آج وہ دلائل کسی عدالت عالیہ کے ججوں کے سامنے رکھے جائیں تو میں پورے وثوق و اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ صاحبین کے دلائل کے مقابلہ میں ائمہ اربعہ کے دلائل کی تائید و توثیق کریں گے اور ائمہ اربعہ کے حق میں فیصلہ دیں گے ۔

یہاں ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب دلائل کے لحاظ سے ائمہ اربعہ کا مسلک جاندار اور قوی اور صاحبین کا کمزور اور ضعیف تو

تو پھر مسلمانوں نے پوری تاریخ میں پہلے مسلک کے بالمقابل دوسرے مسلک کو عملاً کیوں اختیار کیا اور پھر فقہائے متاخرین اور اصحاب فتاویٰ نے پہلے مسلک پر دوسرے مسلک کو ترجیح دے کر اس کے مطابق فتویٰ کیوں دیا ؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک مزارعت اور بٹائی کے عملی رواج کا تعلق ہے تاریخ بتلاتی ہے کہ اسلام سے پہلے اس کا ان تمام ممالک میں عام رواج تھا جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے، ان ممالک میں صدیوں سے جو زرعی نظام رائج تھے وہ جاگیرداری اور زمین داری نظام تھے جن کی بنیاد مزارعت اور بٹائی پر تھی، اسلام لانے کے بعد جب جاگیردار طبقے کو یہ معلوم ہوا کہ ائمہ فقہاء میں سے بعض کے نزدیک مزارعت جائز ہے تو ان کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی اور اطمینان کی بات اور کیا ہوسکتی تھی کہ انہیں اپنے مروجہ زرعی نظام کو قائم اور برقرار رکھنے کا شرعی سہارا مل گیا جس نظام سے ان کے گونا گوں مفادات وابستہ تھے اور جس کی بدولت ان کو معاشرے میں معاشی، سیاسی اور معاشرتی برتری اور بالادستی حاصل تھی چنانچہ وہ حسب سابق اس نظام پر کاربند اور عمل پیرا رہے ۔ ان کے بالمقابل طبقۂ مزارعین کا فائدہ اگرچہ اس میں تھا کہ مزارعت کے عدم جواز سے متعلق ائمہ اربعہ کے موقف کو اختیار اور اس پر عمل کیا جائے لیکن یہ طبقہ چونکہ کمزور، محتاج اور جاہل تھا لہذا اجتماعی امور اور ملکی معاملات کے تعین میں اس کی رائے اور مرضی کی کوئی اہمیت اور وقعت نہ تھی اور وہ زمیندار طبقہ کی مرضی کو ماننے اور اس پر چلنے پر مجبور تھا اس لئے کہ زمیندار طبقہ صاحب اثر و اقتدار تھا اور اس کی حیثیت اس کے سامنے ایک غلام اور خادم کی سی تھی، بنا بریں جب زمیندار طبقہ نے اپنے مفاد کی خاطر، صاحبین کے قول کی آڑ میں یہ فیصلہ کرلیا کہ مزارعت اور بٹائی پر مبنی زرعی نظام جو پہلے سے رائج چلا آرہا تھا آئندہ بھی قائم اور جاری رہے گا تو طبقہ مزارعین، اس فیصلے کو ماننے اور اس پر

چلنے پر مجبور تھا چنانچہ اس نے مزارعت پر اپنے کاشتکاری کے کام کو جاری رکھا، اس طرح ہماری تاریخ میں مزارعت کا رواج اور اس پر عمل درآمد رہا۔

بالفاظ دیگر مطلب یہ کہ شروع میں ایسا ہرگز نہیں ہوا کہ جب عجمی اقوام مشرف بہ اسلام ہوئیں تو ان میں جو زمیندار طبقہ تھا اس نے اپنے معاشی معاملات کو اسلام کے مطابق بنانے کے لئے مزارعت کے جواز اور عدم جواز سے متعلق ائمہ مجتہدین کے مختلف اقوال اور ان کے دلائل کا تحقیقی جائزہ لیا اور پھر جس قول کو دلائل کے لحاظ سے زیادہ قوی اور کتاب و سنت کے زیادہ مطابق پایا اس پر عمل پیرا ہوگیا، بلکہ ہوا یہ کہ جس قول کو اس نے اپنے مفید مطلب پایا اور دیکھا کہ اس سے مروجہ زرعی نظام قائم رہ سکتا ہے اس کو اختیار کرلیا، اختیار کرلینے کا مطلب یہ کہ مزارعت پر مبنی جو زرعی نظام رائج چلا آرہا تھا اس کو جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا قطع نظر اس سے کہ جس قول کا اس نے سہارا لیا ہے وہ دلائل کے لحاظ سے کیسا ہے اور کیسا نہیں اور پھر مزارعت پر یہ جو عمل درآمد رہا یہ حقیقت میں ملت مسلمہ کے پانچ فیصد افراد کا بھی نہ تھا جو زمیندار طبقہ سے تعلق رکھتے تھے، مزارعین ک طبقہ اپنی مجبوری اور بےچارگی کی وجہ سے اس میں شریک تھا، لہذا اس کو پوری ملت مسلمہ کا تعامل کہنا بالکل غلط ہے، علاوہ ازیں کسی چیز کا مسلمانوں میں عملاً رائج ہوجانا اس کی دلیل نہیں بن سکتا کہ مسلمانوں نے اس کو صحیح سمجھ کر اپنی مرضی اور خوشی سے اختیار کیا، کیونکہ بسا اوقات ایک چیز تاریخی اور خارجی حالات کے تحت رائج ہوجاتی ہے اور مجبوراً اسے اختیار کرنا پڑجاتا ہے، مثال کے طور پر بنکاری کے موجودہ نظام کو لیجئے جو آ تمام اسلامی ممالک میں ہر جگہ رائج ہے اور جس کو چلانے اور جاری رکھنے میں اچھے اچھے نیک و صالح مسلمان، عملاً شریک اور حصہ دار ہیں، ظاہر ہے کہ بنکاری کے اس نظام کو مسلم ممالک نے اس وجہ سے اختیار نہیں کیا

یہ قرآن و حدیث کی رو سے جائز اور صحیح ہے بلکہ اس وجہ سے اختیار کیا کہ مسلم ممالک کی معیشت جن غیر مسلم ممالک کے تابع اور زیر اثر ہے ان میں بنکاری کا یہ نظام رائج تھا لہذا مسلم ممالک میں بھی وہ رائج ہوگیا اور مسلمان اسے اختیار کرنے پر مجبور ہوئے - عام طور پر رائج ہوجانے کے بعد علمائے اسلام کی عظیم اکثریت نے سود پر مبنی ہونے کی وجہ سے اس نظام کو اسلام کے خلاف اور باطل قرار دیا اور چند ایک نے اسے جائز ثابت کرنے کی بھی کوشش کی، اب اس سے کوئی یہ نتیجہ نکالے کہ چونکہ بہت عرصہ سے بنکاری کا یہ نظام مسلمانوں میں رائج چلا آرہا ہے لہذا وہ رائے صحیح و درست تھی جو بعض علماء نے اس کے جواز کے بارے میں پیش کی تھی تو جس طرح یہ نتیجہ درست نہیں ہوسکتا اسی طرح وہ نتیجہ بھی درست نہیں کہ مزارعت کے جواز کے متعلق صاحبین کی رائے زیادہ صحیح اور درست تھی ، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ نظام بنکاری کے عدم جواز سے متعلق جو نقلی و عقلی دلائل ہیں وہ ہر لحاظ سے صحیح اور قابل اعتماد ہیں جبکہ اس کے جواز کے دلائل نہایت کمزور اور قابل رد ہیں، اسی طرح جہاں تک دلائل کا تعلق ہے مزارعت کے عدم جواز سے متعلق ائمہ اربعہ کے دلائل نہایت طاقتور اور قابل اعتماد ہیں جبکہ صاحبین کے دلائل کمزور اور ناقابل اعتماد ہیں، لیکن اس کے باوجود ائمہ اربعہ کے موقف پر جو عمل درآمد نہیں ہوا تو اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ یہ موقف انقلابی تھا اس کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے سے لازماً معاشرے کا پرانا ڈھانچہ ٹوٹ کر ایک نیا ڈھانچہ وجود میں آتا جس میں نہ صرف یہ کہ زمیندار طبقے کی روائتی شان و شوکت اور عزت و عظمت کا چراغ گل ہوجاتا بلکہ سرے سے یہ طبقہ ہی باقی نہ رہتا، اب اسے بھی کسب معاش کے سلسلہ میں وہ محنت و مشقت کرنی پڑتی جس کو وہ پہلے ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا، اسی طرح اس کی وہ آقائی اور سرداری ختم ہو جاتی جو اس کو پشت ہا پشت سے طبقہ مزارعین پر حاصل تھی وغیرہ وغیرہ، لہذا اس نو مسلم زمیندار طبقہ کے لئے انتہائی

مشکل اور سخت دشوار کام تھا کہ مزارعت کے عدم جواز کے مسلک کو اپناتا اور اس پر عمل کرتا جبکہ صاحبین کے مسلک نے اس کے لئے جواز مزارعت کی بھی گنجائش پیدا کردی تھی۔

مزارعت کے عدم جواز سے متعلق ائمہ ثلاثہ یا اربعہ کے مسلک پر عمل نہ ہوسکنے کی دوسری بڑی وجہ یہ ہوئی کہ خلافت راشدہ کے بعد مختلف عجمی ممالک میں جو حکومتیں قائم ہوئیں وہ سب شاہی طرز کی تھیں جن کی بنیاد جاگیرداری نظام پر تھی اور جاگیرداری نظام کے لئے مزارعت کا وجود اشد ضروری تھا وہ اس طرح کہ شاہی دربار سے متعلق وزراء و امراء اور اعیان حکومت کو ان کی خدمات کے عوض بطور جاگیر جو اراضی ملی ہوتی تھیں اور جن کی آمدنی پر امیرانہ ٹھاٹ کا دارومدار تھا وہ ان کو خود تو آباد کر نہیں سکتے تھے اس لئے کہ پہلے تو ان کو حکومت کے کاموں سے فرصت ہی نہ ملتی تھی اور اگر فرصت ملتی بھی تو وہ کاشتکاری کے اس کام کو اپنے لئے باعث توہین اور کسر شان سمجھتے تھے لہذا ان کے لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ اپنی اراضی کو مزارعت پر دیتے اور آباد کراتے، گویا جاگیر داری پر مبنی شاہی طرز حکومت کا یہ تقاضا تھا کہ مزارعت پر عمل درآمد اور اس کا رواج ہو، لہذا ایسی صورت میں ترک مزارعت کا موقف کیسے بروئے کار آسکتا تھا، اس کی مثال آج بنک کے سود کی ہے علماء کی بڑی اکثریت اس کو حرام بتلاچکی اور مسلمانوں کو اس سے بچنے اور پرہیز کرنے کی تلقین اور تاکید کرچکی ہے لیکن اس کا کچھ اثر نہیں کیونکہ ہر جگہ حکومتیں باقاعدہ بنکاری نظام کی سرپرستی کررہی اور اپنے کنٹرول میں اس کو چلارہی ہیں، ظاہر ہے کہ جس چیز کی پشت پر حکومت کی طاقت ہو وہ اچھی ہو یا بری ضرور رائج ہوکر رہتی ہے اور اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

خلاصہ یہ کہ ہماری تاریخ میں مزارعت پر جو عمل درآمد رہا تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ جواز مزارعت سے متعلق بعض ائمہ کا مسلک قرآن

سنت کے عین مطابق تھا لہذا مسلمانوں نے کار ثواب سمجھ کر اس پر عمل کرنا شروع کردیا، بلکہ اس کی اصل وجہ وہ جاگیردارانہ و زمیندارانہ نظام معیشت اور وہ شاہانہ نظام حکومت تھا جو نو مسلم عجمی اقوام کو اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا تھا اور جو اسلام لانے کے بعد بھی حسب سابق ان میں باقی رہا اور رکھا گیا، اس معاشی اور سیاسی نظام کے لئے مزارعت کا وجود ضروری تھا لہذا مزارعت پر عمل درآمد رہا البتہ بعض ائمہ فقہا" کے فتویٰ جواز نے تھپکی کا کام دیا اور اس کی حوصلہ افزائی ہوئی اور ذہنوں سے وہ خلش دور ہوگئی جو مذہب کی طرف سے ہو سکتی تھی۔

یہاں یہ بھی بتلادینا ضروری ہے کہ مزارعت کے متعلق فقہا" متقدمین کے ہاں بحث کا جو انداز تھا وہ اس سے مختلف تھا جو بعد میں فقہائے متاخرین نے اختیار کیا، متقدمین کا انداز یہ تھا کہ وہ مزارعت کی بحث میں اس کے جواز اور عدم جواز دونوں سے متعلق ائمہ مجتہدین کے مختلف اقوال اور ان کے دلائل یکساں اہمیت کے ساتھ بیان کردیتے اور کسی کو کسی پر ترجیح دینے کی کوشش نہ کرتے اور بعض نے ترجیح دینے کی کوشش کی تو عدم جواز کے مسلک کو ترجیح دی جو ائمہ اربعہ یا ثلاثہ کا مسلک تھا، بخلاف متاخرین کے کہ انہوں نے کھل کر مسلک جواز کی حمایت اور تائید کی اور اس میں ایسا انداز اختیار کیا کہ گویا صحیح صرف اس کے جواز کا مسلک ہے اور عدم جواز کا مسلک قابل التفات ہی نہیں لہذا اس کا ذکر تک کرنا چھوڑ دیا، اس کا اندازہ ان جزوی احکام اور فروعی قوانین سے بخوبی ہوتا ہے جو انھوں نے مزارعت کے مختلف پہلوؤں سے متعلق وضع اور مرتب کئے اور اپنی کتابوں میں ان کو تفصیل کے ساتھ لکھا، گویا یہ معاملہ بیع کی طرح جائز ہے۔ البتہ بیع کی طرح اس کی بھی کچھ صورتیں صحیح، کچھ فاسد اور کچھ باطل ہیں، غرضیکہ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے مسلک کو بالکل نظرانداز کردیا گیا جو مزارعت کو بنیادی طور پر ایک باطل معاملہ قرار دے چکے ہیں۔

فقہائے متاخرین خصوصاً اصحاب فتاویٰ نے مزارعت کے بارے میں یہ جو رویہ اختیار کیا، ہوسکتا ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ انھوں نے جب یہ دیکھا کہ مزارعت مسلمانوں میں جس مضبوطی کے ساتھ جڑیں پکڑ چکی ہے اب اس سے چھٹکارا ممکن نہیں، لہذا اس کو ناجائز کہنے سے یہ فائدہ تو ہوگا نہیں کہ لوگ اس کو ترک کردیں گے البتہ یہ نقصان ضرور ہوگا کہ احساس حرمت کے ساتھ نہیں تو احساس کراہیت کے ساتھ اس میں مبتلا رہیں گے اور اس سے ایک خلش سی ان کے دل میں ہمیشہ رہے گی لہذا انہوں نے قطعیت کے ساتھ اور دوٹوک طریقہ سے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیا، علاوہ ازیں اس وقت ان کے سامنے کمیونزم اور سوشلزم کی طرح کا کوئی خطرہ بھی موجود نہ تھا جس طرح آج ہمارے سامنے موجود ہے اور جس کے معاشی نظام کی وجہ سے دنیا اس کی طرف کھنچی اور دین و مذہب سے بیزار ہوتی چلی جارہی ہے، اگر ان کے سامنے کوئی خطرہ اور چیلنج موجود ہوتا اور وہ یہ دیکھتے کہ مسلمانوں کو اس خطرہ سے بچانے اور کمیونزم پر اسلام کی برتری ثابت کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مزارعت کے عدم جواز کے متعلق امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کو اختیار کیا جائے تو وہ صاحبین کے مسلک کو ہرگز اختیار نہ کرتے اور اس کے مطابق فتویٰ نہ دیتے کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے فتووں میں اسلام اور ملت اسلامیہ کے مفاد کو ملحوظ و مدنظر رکھتے تھے۔

مزارعت کے متعلق یہ تھوڑی سی بحث اس مضمون میں ضمناً آگئی ورنہ اس میں میرا اصل مقصد صرف زمین کی شخصی ملکیت سے بحث کرنا اور یہ بتلانا ہے کہ اسلام میں اس کا تصور کیا ہے [illegible] اہم اور مستقل موضوع ہے [illegible] مضمون میں جو تھوڑی [illegible] ناجائز اور ممنوع ہو [illegible] زمین کی شخصی [illegible] اور تحدید

ملکیت زمین کے لئے کسی مصنوعی اور غیر فطری طریقۂ کار کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں رہتی جس سے دوسری طرح طرح کی خرابیاں جنم لیتی ہیں اور وہ فائدہ بھی پائدار اور خاطر خواہ طور پر حاصل نہیں ہوتا جو تحدید ملکیت زمین سے مقصود ہوتا ہے، بہر حال مزارعت کے عدم جواز اور ممنوع ہونے کی صورت میں زمین اس کے پاس رہتی ہے جو خود کاشت کرتا ہے اور اتنی رہتی ہے جتنی وہ کاشت کرسکتا ہے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ جب زمین کو نقد اجارے اور ٹھیکے پر دینا جائز ہو، نیز اس کو کاشتکار سے یومیہ یا ماہانہ اجرت پر کاشت کرانا جائز ہو تو پھر یہ بات غلط ہے کہ مزارعت کے عدم جواز اور ممنوع ہونے کی صورت میں زمین صرف اس شخص کے پاس رہتی ہے جو خود کاشت کرتا ہے اور اتنی رہتی ہے جتنی وہ کاشت کرسکتا ہے، کیونکہ مذکورہ دو معاملوں کے جائز ہوتے ہوئے اگر مزارعت ناجائز بھی ہو تو زمین اس شخص کے پاس بھی رہتی ہے جو خود کاشت نہیں کرتا لیکن ایک خاص مدت کے لئے دوسرے کو اجارے پر دیکر اس سے فائدہ اٹھاتا ہے یا دوسرے کو اجرت دے کر اس سے اپنے لئے کاشت کراتا ہے، تو اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مزارعت کی طرح زمین کو اجارے پر دینے کے جواز و عدم جواز سے متعلق فقہاء سلف کے درمیان اختلاف رہا ہے لیکن جہانتک شرعی و عقلی دلائل کا تعلق ہے اس بارے میں ہی عدم جواز کے دلائل، بمقابلہ جواز کے دلائل کے زیادہ قوی اور قابل اعتماد یں ۔ ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی میں اس پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے جواز کے دلائل کا سختی کے ساتھ رد کیا ہے لہذا جس بنیاد پر مزارعت ئز و ممنوع قرار پاتی ہے اسی بنیاد پر زمین کو اجارے پر دینا بھی ناجائز نوع قرار پاتا ہے ۔ اب رہا مالک کا اپنی زمین دوسرے سے یومیہ یا ماہانہ پر کاشت کرانے کا طریقہ، سو یہ بالکل جائز ہے، لیکن اگر اجرت کی تعین

اور ادائیگی اسلامی اصول کے مطابق ہو اور مالک زمین اس کو ٹھیک طور پر ادا کرتا رہے تو اس میں اس کو کچھ خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا یعنی مجموعی پیداوار میں سے خرچہ نکالنے کے بعد اس کے پاس بہت کم بچتا ہے اور اگر کوئی ارضی و سماوی آفت نازل ہوجائے تو اس صورت میں اس کو نقصان ہی نقصان ہوتا ہے، بنا بریں مالک اس طریقہ کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کرسکتا، بالآخر مجبور ہوکر اسے چھوڑ دینا پڑتا ہے، تو اب عملاً صرف ایک ہی شکل رہ جاتی ہے وہ یہ کہ مالک اپنی زمین کو خود کاشت کرے، اور ظاہر ہے کہ اس شکل میں اتنی ہی زمین اس کے پاس رہ سکتی ہے جتنی کہ وہ خود کاشت کرسکتا ہو۔

زمین کی شخصی ملکیت پر بحث و تمحیص کے سلسلہ میں ایک پہلو یہ بھی قابل وضاحت ہے کہ اسلام، زمین کی شخصی ملکیت کو تسلیم کرنے کے بعد کیا مالک کو اپنی زمین میں ہر قسم کے تصرف کی کھلی آزادی دیتا ہے یا اس پر کچھ پابندیاں بھی عائد کرتا ہے ؟ سو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اسلام مالک زمین کو اپنی زمین میں تصرف کی مطلق آزادی نہیں دیتا بلکہ مقید آزادی دیتا ہے وہ اس کے ہر اس تصرف کو جائز قرار دیتا ہے جو اس کی ذات اور معاشرے دونوں کے لئے مفید اور نفع بخش ہو اور ہر اس تصرف کو ناجائز قرار دیتا ہے جو اس کے اور معاشرے دونوں کے لئے مضر اور نقصان دہ ہو، یا جو اس کے لئے تو مفید ہو لیکن معاشرے کے لئے موجب ضرر ہو، اور حکومت پر لازم ٹھہراتا ہے کہ ناجائز تصرف سے مالک کو بجبر روکے۔

زمین دراصل ان اشیاء میں سے ہے جو ایک شخص کی ملکیت میں تو آسکتی ہیں لیکن ان کی افادیت کا دائرہ صرف اس شخص تک محدود نہیں ہوتا بلکہ معاشرے کے دوسرے افراد تک پھیلا ہوتا ہے کیونکہ ان کے وجود کا مقصد، فرد کا انفرادی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ معاشرے کا اجتماعی فائدہ ہوتا ہے، زمین کی پیداوار ، جس طرح اپنے مالک کاشتکار کی غذائی ضرورت کو پورا

کرتی ہے اسی طرح معاشرے کے بہت سے دوسرے افراد کی غذائی ضرورت کو بھی پورا کرتی ہے چنانچہ جس طرح مالک کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح معاشرے کو بھی اس سے فائدہ پہنچتا ہے گویا ایک زرعی زمین سے صرف اس کے مالک کا مفاد وابستہ نہیں ہوتا بلکہ معاشرے کے دوسرے افراد کا مفاد بھی وابستہ ہوتا ہے اور ایک شخص کی ملکیت میں ہونے کے باوجود اس کے ساتھ دوسروں کا مفاد وابستہ رہتا ہے، اور قرآن حکیم میں اللہ تعالی کا یہ جو ارشاد ہے کہ : والارض وضعها للانام ۔ اور زمین کو بنایا اور رکھا لوگوں کے فائدہ کے لئے، تو شائد اس کا یہ مطلب بھی ہو کہ زمین خواہ کسی صورت میں بھی ہو اس سے عامۃالناس کے مفاد کا تعلق رہتا ہے ؛ لہذا ایک شخص ایک زرعی زمین کا مالک ہونے کے باوجود اس میں کوئی ایسا تصرف نہیں کرسکتا جس سے عامۃالناس کے مفاد پر برا اثر پڑتا ہو اور ان کو نقصان پہنچتا ہو، مثلاً عامۃالناس کو غلہ کی ضرورت ہو تو مالک زمین اپنی زرعی زمین کو معطل اور بیکار نہیں چھوڑسکتا ، اسی طرح مثلاً عامۃ الناس کو گندم کی حاجت ہو تو مالک اس میں کماد اور تمباکو وغیرہ نہیں کاشت کرسکتا، اور اگر ایسا کرے تو حکومت اس کو بذریعہ طاقت سختی کے ساتھ روک سکتی ہے ۔

جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ اسلام کے معاشی نظام اور کمیونزم کے معاشی نظام کے مابین جو ایک بنیادی اختلاف ہے وہ یہ کہ اسلام اشیائے صرف اور ذرائع پیداوار دونوں میں شخصی و انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے جبکہ کمیونزم پہلی قسم کی اشیاء میں تو انفرادی و شخصی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن دوسری قسم کی اشیاء میں تسلیم نہیں کرتا بلکہ ان کو اجتماعی و قومی ملکیت قرار دیتا ہے، اور یہ بھی عرض کیا تھا کہ اسلام اگرچہ نفس ملکیت کی حد تک لجی استعمال کی اشیاء جن کو اشیائے صرف کہا جاتا ہے اور ذرائع پیداوار میں کچھ فرق نہیں کرتا لیکن مالکانہ تصرفات کے لحاظ سے ان میں ضرور فرق کرتا ہے اور وہ یہ کہ اشیائے صرف میں ان کے

مالک کو ہر اس تصرف کی اجازت دیتا ہے جو اُس کے لئے نفع بخش اور فائدہ مند ہو، بخلاف دوسری قسم کی اشیاء یعنی ذرائع پیداوار کے کہ ان میں ان کے مالک کو صرف ایسے تصرف کی اجازت دیتا ہے جو اس کے لئے مفید ہو اور دوسروں کے لئے مضر اور نقصان‌دہ نہ ہو، یہ اس لئے کہ پہلی قسم کی اشیاء اپنی وضع و ساخت کے لحاظ سے شخصی انتفاع کے لئے ہوتی ہیں جب کہ دوسری قسم کی اشیاء اپنی وضع و شکل کے اعتبار سے اجتماعی مفاد سے متعلق ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ پہلی قسم کی اشیاء میں غلط تصرف سے مالک کو نقصان پہنچتا ہے لیکن کسی اور کو براہ راست کوئی نقصان نہیں پہنچتا جبکہ دوسری قسم کی اشیاء میں غلط تصرف سے براہ‌راست دوسروں کو نقصان پہنچتا ہے، مثلاً ایک شخص کے گھر کا چمن ہے جو اس نے خوبصورتی اور اپنے ذوق جمال کی تسکین کے لئے لگا رکھا ہے اس میں وہ جو چاہے ردوبدل کرسکتا ہے ایک قسم کے پھولوں کے بجائے دوسرے قسم کے پھول لگادے یا اس کو اجاڑ و ویران کردے تو اس سے معاشرے کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بخلاف ایک ایسے باغ کے جس کے پھلوں کی معاشرے کو ضرورت ہوتی ہے یا ایک ایسے کھیت کے کہ جس کے غلہ کا معاشرہ محتاج ہوتا ہے، اس میں کوئی غلط ردوبدل کیا جائے یا اس کو معطل اور ویران کردیا جائے تو اس سے معاشرے کو نقصان پہنچتا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس ایک شخص اپنے ذاتی استعمال کی موٹر کار کو گیراج میں بند کردے اور اس سے کچھ کام نہ لے تو معاشرے کو براہ‌راست کوئی نقصان نہیں پہنچتا لیکن ایسی بسوں کو جو اس نے عوامی ضرورت کے لئے چلا رکھی ہیں، بیکار روک لے تو معاشرے کو پریشانی اور تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا اور نقصان پہنچتا ہے، اسی طرح گھریلو استعمال کی کسی مشین کو اس کا مالک غلط طریقہ سے استعمال کرے یا اس کو بند کرکے رکھ دے تو اس سے معاشرے کا کچھ نہیں بگڑتا لیکن ایک مل و کارخانے کو جس کی پیداوار کا معاشرہ محتاج اور ضرورت مند ہوتا ہے اس کا مالک غلط طور پر استعمال کرے

یا اس کی تالہ بندی کردے تو اس سے معاشرے کو ضرور نقصان پہنچتا ہے اور وہ پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے، لہذا اسلام ان دوسری قسم کی اشیاء کے متعلق ان کے مالک پر پابندی عائد کرتا ہے کہ وہ ان میں کوئی ایسا تصرف نہ کرے جس سے معاشرے کے دوسرے افراد کو نقصان پہنچ سکتا ہو، چنانچہ اس پابندی سے ان برائیوں اور خرابیوں کا سدباب ہوجاتا ہے جو نظام سرمایہ داری میں ذرائع پیداوار کی شخصی ملکیت اور اس میں مالک کے بے قید تصرف سے ضرور رونما ہوتی ہیں اور جس سے بچنے کے لئے نظام اشتراکیت سرے سے ذرائع پیداوار کی شخصی و انفرادی ملکیت ہی کا انکار کردیتی ہے ۔

یہاں یہ بات اچھی طرح واضح رہے کہ جہاں تک ذرائع پیداوار کی شخصی و ذاتی ملکیت کے جواز کا تعلق ہے اسلام اور نظام سرمایہ‌داری دونوں اس پر متفق اور دونوں اس کو صحیح مانتے ہیں لیکن اسلام چونکہ سرمائے کو پیدائش دولت کا عامل تسلیم نہیں کرتا لہذا پہلے ہی قدم پر نظام سرمایہ داری سے الگ ہو جاتا ہے، اس کی کچھ تفصیل یہ کہ نظام سرمایہ‌داری، سرمائے کو ہر شکل میں پیدائش دولت کا عامل قرار دیتا اور مالک سرمایہ کو پیدا شدہ دولت کے ایک حصہ کا مستحق ٹھیراتا ہے اگرچہ اس نے اس کے ساتھ کسی قسم کی دماغی و جسمانی محنت و مشقت نہ کی ہو، بخلاف اسلام کے کہ وہ سرمائے کو کسی شکل میں بھی، عام ہے کہ وہ سونے چاندی اور زر و نقدی کی شکل میں ہو یا مختلف قسم کے تجارتی مال و متاع اور سازوسامان کی شکل میں، اسی طرح عمارتوں اور زرعی زمینوں کی شکل میں ہو یا آلات و اوزار اور کلوں اور مشینوں کی شکل میں، غرض کسی شکل میں بھی ہو پیدائش دولت کا عامل تسلیم نہیں کرتا، بلکہ محنت اور صرف محنت کو پیدائش دولت کا عامل تسلیم کرتا ہے، اس کے نزدیک دولت جو کچھ بھی پیدا ہوتی ہے صرف محنت سے پیدا ہوتی ہے عام ہے کہ وہ دماغی کاوش کی شکل میں ہو یا جسمانی مشقت کی شکل میں، بنابریں اسلام ربا اور ربا کی طرح کے دوسرے معاشی معاملات کو باطل اور

حرام قرار دیتا ہے جن میں ایک فریق بغیر کسی محنت و مشقت کے محض اپنے اس محفوظ سرمائے کی بنیاد پر منافع کے ایک حصہ کا مستحق قرار پاتا ہے جو تحفظ کی ضمانت کے ساتھ کاروبار میں لگا ہوتا ہے۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے مسئلہ ملکیت زمین کے اس پہلو پر کچھ عرض کردیا جائے تو غیر مناسب نہ ہوگا کہ کیا ازروئے اسلام، حکومت کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی اجتماعی ضرورت اور قومی مصلحت کی خاطر، افراد کی انفرادی و ذاتی ملکیت مثلاً زمین وغیرہ کو زبردستی ضبط کرلے، اگر پہنچتا ہے تو کیا وہ ایسا بلا معاوضہ کر سکتی ہے یا معاوضہ ادا کرنا اس پر لازم ہوتا ہے ؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حکومت کو شرعاً اس کا پورا اختیار ہے کہ وہ جب یہ دیکھے کہ اجتماعی مفاد اور مصلحت عام کی خاطر، کسی کی انفرادی و شخصی ملکیت میں تصرف کرنا ضروری ہے تو وہ مالک کی مرضی کے خلاف ایسا کرسکتی ہے عام ہے کہ وہ ملکیت زرعی اراضی کی شکل میں ہو یا رہائشی مکان اور کاروباری مرکز کی شکل میں، لیکن بہرحال اس کا معقول اور منصفانہ معاوضہ ادا کرنا حکومت پر لازم ہوتا ہے، فقہائے اسلام نے اس کے ثبوت و جواز میں بطور دلیل اس طرز عمل اور سنت کو پیش کیا ہے جس کو پہلے خود رسول اللہ صلعم نے اور پھر آپ کے خلفاء راشدین نے مسجد نبوی کی تاسیس اور توسیع نیز اجتماعی ضرورت سے تعلق رکھنے والے شارع عام اور بازار کی تعمیر و درستگی میں اختیار فرمایا، اسی طرح عقلی دلائل سے بھی اس کا جواز مہیا ہوتا ہے، بہرحال اس پر فقہا کرام کا اتفاق اور اجماع ہے کہ حکومت اجتماعی مفاد کی خاطر، افراد کی مملوکہ اراضی اور دیگر غیر منقولہ جائداد میں ضرورت کی حد تک تصرف کر سکتی ہے، اور معقول معاوضہ ادا کرکے اس کو لے سکتی ہے اگرچہ مالک اس کے دینے میں راضی اور خوش نہ ہو، اور حکومت یہ معاوضہ بیت‌المال اور قومی خزانے سے ادا کرنے کا اختیار رکھتی ہے۔

لیکن یہاں یہ اچھی طرح واضح رہے کہ معاوضے کے اس قاعدے میں وہ اراضی نہیں آتیں جن کو حال میں حکومت پاکستان نے زرعی اصلاحات کے سلسلہ میں بعض بڑے بڑے زمینداروں سے لے لینے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ زمین کی ملکیت سے متعلق اسلام کا جو اصولی تصور اس مضمون میں تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اس کی رو سے یہ زمین دار سرے سے ان اراضی کے مالک ہی نہیں اس لئے کہ ان ہزاروں ایکڑ اراضی کو نہ تو ان کے آباؑ و اجداد نے غیر آباد سے خود آباد کیا ہے اور نہ آباد کرنے والوں سے، انتقال ملکیت کے ان طریقوں سے حاصل کیا ہے جو اسلام نے جائز اور مشروع قرار دئے ہیں۔ چنانچہ جب یہ حقیقی طور پر ان اراضی کے مالک ہی نہیں تو پھر ان کے لئے قومی خزانے سے معاوضے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ اسلامی تصور ملکیت کی رو سے ان اراضی کے مالک وہ لوگ ہیں جن کے آباؑ و اجداد نے ان اراضی کو غیر آباد سے آباد کیا اور پھر پشت ہا پشت سے ان کو آباد اور کاشت کرتے چلے آرہے ہیں جن کو مزارعین کہا جاتا ہے اور جو صدیوں سے زمیندار طبقے کے ظلم و ستم کے شکنجے میں کسے ہوئے غلاموں سے بھی بدتر زندگی بسر کرتے چلے آرہے ہیں، بلا شبہ ملت کا یہ مظلوم ترین طبقہ نہایت قابل رحم اور مستحق ہمدردی ہے لیکن افسوس ہے کہ اور تو اور خود فقہائے اسلام بھی اس پر ترس نہیں کھا رہے اور اس کے مقابلہ میں اس طبقہ کی حمایت اور ہمدردی کررہے ہیں جس نے ملت اسلام کو ہر لحاظ سے اور ناقابل تلافی نقصان پہنچایا، ہر معاشرتی برائی اور اخلاقی بدعنوانی دیکھا جائے تو اس طبقے میں پیدا ہوئی جو بلا محنت و مشقت کے دوسروں کے خون پسینے کی کمائی پر ہمیشہ عیش و عشرت کرتا رہا ہے پھر وہ سارے معاشرے میں پھیل گئی، یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں بحیثیت طبقہ کے زمیندار طبقہ سے متعلق ہے ورنہ جہاں تک افراد کا تعلق ہے خال خال اچھے افراد پہلے بھی اس طبقہ میں موجود رہے اور آج بھی موجود ہیں۔